(۱۹) ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ (ترجمہ:۔ پھر بے شک ہم پر ہے اس کا بیان) یعنی قرآن کے احکام وشرائع کا بیان اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ جو کچھ اس میں ہے اس کی تفسیر مثلاً حلال اور حرام اور مشکل معنی ومقاصد کا بیان۔ زجاج کہتے ہیں کہ ہمارے ذمہ ہے قرآن عربی کا نازل کرنا جس میں لوگوں کے لئے بیان ہے۔ میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ اس میں ثم کے معنی میں استحکام نہیں ہے اور یہ خطاب کے وقت سے بیان کی تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس کے معنی ہیں کہ جبرئیلؑ کے جانے کے بعد اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔ اہل اصول کا کہنا ہے کہ اس میں خطاب کے وقت سے بیان کی تاخیر کا جواز موجود ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی کوئی حد بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ عمرؓ کے اس قول سے بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ وفات فرما گئے اور ''ربا'' کے احکامات بیانِ شافی کے طور پر بیان نہیں کئے گئے یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین نے ''ربا'' کے احکامات کے استخراج میں بہت ہی زیادہ کوشش فرمائی ہے۔ اس مقام کی تفصیل

یہ ہے کہ بیان کے چار اقسام ہیں ۔ بیان تقریر بیان تفسیر بیان تغییر اور بیان تبدیل ۔ بیان تقریر اس کو کہتے ہیں جو کلام کی تاکید کرے اور اس سے مجاز اور خصوص کے احتمال کو قطع کر دے جیسا کہ اللہ نے فرمایا **فسجد الملائكة كلهم اجمعون** (الحجر ۳۰) پس اس میں "**كلهم اجمعون**" تمام فرشتوں کے لئے بیان تقریر ہے۔ اس حیثیت سے کہ ان میں سے ایک بھی سجدہ کرنے سے خارج نہیں ہے پس یہ مجاز اور خصوص کے احتمال کا بیان ہے۔ البتہ دوسری قسم یعنی بیان تفسیر مجمل اور مشترک کا بیان ہے۔ اس میں پہلا یعنی مجمل میں معانی خلط ملط ہو گئے اور اس کی مراد اس طرح سے مشتبہ ہو گئی کہ نفس عبارت سے معانی کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس میں استفسار، طلب معنی اور اس کے بعد غور وفکر کی ضرورت ہے۔ مثلاً صلوۃ وزکواۃ کے لفظ ہیں پس صلوۃ لغت میں دعا کو کہتے ہیں اور یہ نہیں معلوم کہ کون سی دعا مراد ہے تو نبی پاک ﷺ نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعہ بیان فرمایا اور معنی کی وضاحت فرمائی اور بتلایا کہ اس میں قیام رکوع، سجود، قعود اور قراءت ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی بتلایا کہ یہ پانچ اوقات میں پانچ نمازیں ہیں۔ اور ان کے رکعات کی تعداد اور ان کے سنن واجبات اور فرائض کا بیان فرمایا یہاں تک یہ مجمل (لفظ صلوٰۃ) مفسر ہو گیا۔ اس طرح سے لفظ زکوۃ ہے جس کے لغت میں معنی ہیں اضافہ حالانکہ یہ وہ معنی ہیں جو شارعؑ کی مراد نہیں ہے۔ پس نبی ﷺ نے اس کے احکامات مثلاً اسباب، شروط اور اس کے اوصاف کو بیان فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ نصاب کا مالک ہونا، زکواۃ کی علت ہے اور سال کا گزرنا شرط ہے۔ اس طرح عقل، بلوغت، حریت اور اسلام بھی اس کے شرائط میں شامل ہیں۔ البتہ مشترک وہ ہوتا ہے جو بدل کے طور پر مختلف الحقیقت افراد کو شامل ہو مثلاً "القروء" کا لفظ حیض اور طہر کے لئے ہے۔ پس اس کا حکم ہے کہ اسمیں توقف کیا جائے پھر وہ بیان کا محتاج ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ دونوں بیان بطور موصول ومفصول کے درست ہیں۔ البتہ بیان تغییر یہ ہے کہ تغییر اسے کہتے ہیں جو سابق کلام کو بدل دے۔ جیسے شرط واستثناء مثلاً آپ کے قول انتِ طالق **ان دخلت الدار** میں **ان دخلت الدار** کہنا یہ ماقبل کی تغییر کا بیان ہے۔ اس طرح سے استثناء ہے **له عليّ مائة الف الا الف** میں **الا الف** کے لفظ نے ایک ہزار کو ذمہ وجوب سے متغیر کر دیا۔ باقی رہا بیان تبدیل تو وہ کہتے ہیں سابق حکم کی مدت کے بیان کرنے کو، جو کہ اللہ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے۔ پس یہ بیان ہمارے حق میں تبدیل کہلاتا ہے۔ اس کی مثال عہد نبوت میں صحیح ہوتی ہے اس کے بعد نہیں۔ یہ وہ خلاصہ ہے کہ جسے اہل اصول نے اپنی کتابوں میں رقم فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کے فرمان **ثم ان علينا بيانه** میں جس بیان کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے مراد اکثر احناف کے نزدیک بیان تفسیر ہے قطع نظر اس کے کہ وہ موصول ہو یا مفصول ہو۔ پس جب آپ نے یہ جان لیا تو ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "**ثم**" نزول سے بیان کی تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کی وضاحت میرے جد بزرگوار سید علیؒ نے "**القول المحمود**" میں یوں ذکر فرمائی ہے کہ قرآن کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک ان امور کی ہے وا حکام تعبدی اور صناعات تمدنی پر مشتمل ہیں اور ان ہی میں سے عقائد بھی ہیں کہ قلب میں ایمان ان کے بغیر متمکن نہیں ہوتا۔ اور اسی قبیل سے قصص اجمالیہ اور امثلۂ مفیدہ بھی ہیں جو غور سے سننے والوں کو جزم ویقین کا فائدہ دیتی ہیں اور اس سے حقائق ملکوتیہ اور معارف لاہوتیہ ہیں جو بیان سے مشابہہ ہوتے ہیں لیکن ان کا بیان سمجھنا دشوار ہوتا ہے اور جس کے معانی کو تلاوت کردہ الفاظ کے ذریعہ مثلاً متشابہات کی طرح نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ اور ان میں سے احکام قدسیہ ہیں جو بندے کو حق سے

ملا دیتے ہیں۔ پس پہلی تین قسموں کے اسرار و رموز رسول اللہ ﷺ کے بیان کے ذریعہ تمام لوگوں پر واضح اور ظاہر ہو گئے۔ البتہ آخری دو قسمیں مستور ہی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے رموز ظاہر نہیں فرمائے۔ اس اعتبار سے قرآن پاک کے معانی مذکورہ اقسام کے اعتبار سے جو کہ شریعت کے ساتھ متعلق ہیں بیّن ہیں اور آخری دو قسموں کے اعتبار سے جو کہ حقیقت کے ساتھ متعلق ہیں غیر واضح ہیں کیونکہ حقیقت کے ساتھ متعلقہ نصوص کے معنی نبی ﷺ کے عہدِ مبارک میں عمومی طور پر ظاہر نہیں ہوئے۔ اور اس بارے میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی تاویلات بھی ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں معیّن نہیں ہوئیں جیسا کہ معالم التنزیل میں مذکور ہے پھر قرآن پاک اسی میں سے یعنی ان تاویلات کے معنی کے نزول سے پہلے ہی نازل ہوا اور اس میں سے کچھ کی تاویلات رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور کچھ کی رسول اللہ ﷺ کے عہد کے بعد واقع ہوئیں اور کچھ کی آخری زمانے میں واقع ہوئیں اور کچھ کی تاویلات قیامت کے روز سامنے آئیں گی۔ پس اگر اس آیت کی تاویل آخری زمانہ میں واقع ہو تو اس میں کیا رکاوٹ ہے اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہ کہیں کہ بیانہ کی ضمیر پورے قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے لہذا اس سے قرآن کا بعض نہیں لیا جا سکتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ قرآن کا جس طرح سے پورے قرآن پر اطلاق ہوتا ہے اسی طرح بعض قرآن پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ صحابہ اکرام کے اقوال ومحاورات سے ظاہر بھی ہوتا ہے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں ”نزل القرآن کذا“ تو یہاں قرآن سے مراد قرآن کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور وہ نصوص ہیں جو علم حقائق سے متعلق ہیں پس ثابت ہوا کہ دعوت کے طور پر حقائق کا بیان رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے دور ہے پس حق کھل گیا اور مشکل زائل ہو گئی۔ اور شیخ محقق دوانی نے حکیم شہاب الدین شیخ اشراقی الالہی المقتول کی ھیاکل النور کی شرح میں فرمایا ہے کہ اللہ کا فرمان ہے **ثم ان علینا بیانہ** اس میں **ثم** تراخی کے لئے ہے یعنی **ثم ان علینا بیانہ** سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کے انتہائی حقائق اور خاتم النبیین ﷺ پر نازل شدہ حکیمانہ موضوعات کے مکمل انکشاف اور انہیں ہر طرح کے ظاہری اشکالات سے پاک کرنا اس پاک ہستی کے زمانے کے بہت بعد ہو گا اور وہ فارقلیط کے زمانے میں ظاہر ہو گا اور وہ ولایت خاصہ محمدیہ کے مظہر کی طرف موقوف اور حوالہ کردہ تقاضائے نبوت کے حکم سے ولایت خاصہ اور رقیق حجابات کو ظاہر کرنے والا ہو گا۔ اور یہ سب محض استعداد زمانہ کے مشاہدات کی رعایت کے طور پر ہو گا۔ پس ظاہر ہوا کہ اس بیان سے مراد خاصہ ولایت محمدیہ یعنی مہدی موعودؑ کی زبان سے قرآن کا بیان کرنا ہے۔ اس بحث کی وضاحت ہمارے بعض رسائل میں مذکور ہے۔